فقہی اختلافات کے مابین امام شعرانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے اسالیبِ تطبیق

The difference of interpretation of Fiqh between Imam Sha'rani (RA) and Shah Waliullah (RA)

ڈاکٹر سعید احمد*

ڈاکٹر محمد اعجاز**

Abstract:

In the Islamic Sharia there are two types of texts, as for the first one, there is no need for any interpretations. For instance: Tauhid (unity of Allah), while few interpretations have modiefied with the changing circumstances. The expertises of Islamic jurists highlight the interpretations of the text according to prevailing social and political environment which can create harmony between Islamic Sharia and importunity of nature. Imam Sharani and Shah Wali Ullah are those personalities who evaluated the intellectual efforts of Islamic jurists and describe their diligencial and margenial secondary level differences. They created a road of conformity between their minor level marginal differences which are legitimate. Imam Sharani and Shah Wali Ullah's methodologies of uniformity represent the facts that differences in the approaches of jurists, which are considered as segregation in the reality that is benevolence for Muslim Ummah. Their methodologies of uniformity are not only practical but also very useful in the context of global village. In this age ethical, social, and family problems can be solved through the method of uniformity. For the solution of issues like intellectual extremism, prejudice and terrorism, Imam Sharani and Shah Wali Ullah's methodologies of uniformity are beaconhouse.

* اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور۔

** پروفیسر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

شریعت اسلامیہ کی نصوص دو طرح کی ہیں کچھ نصوص تو کسی تعبیر کی محتاج نہیں، ہر دور میں ہم اُسی تعبیر کے پابند ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام مسلمان اُسی تعبیر پر عمل پیرا ہیں، جبکہ کچھ نصوص ایسی بھی ہیں جن کی تعبیر ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کے ماہر فقہاء زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر نئی تعبیر کر سکتے ہیں۔ انہی نصوص کی نئی تعبیر و تشریح میں اختلاف رونما ہوتا ہے جو فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے اور امت مسلمہ کے لیے وسعت ورحمت کا پیغام بھی۔

"امام عبدالوہاب شعرانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ ہر دو شخصیات نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق ائمہ فقہ کے مقام و مرتبہ کے تعین واثبات کے ساتھ ان کے درمیان پائے جانے والے اجتہادی اور فقہی وفروعی اختلافات کو نہ صرف محمود و مشروع قرار دیا بلکہ ان کے مابین تطبیق و توفیق دے کر باہمی فروعی اختلافات کو رفع بھی کیا۔ ذیل میں دونوں شخصیات کے اسالیب اور مناہج تطبیق کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔"

امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا اُسلوبِ تطبیق:

امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے نہ صرف ائمہ فقہ کی جلالتِ علمی، ورع و تقویٰ اور اخلاص و للّٰہیت کو واضح کیا ہے بلکہ اُن کے مابین ممکنہ اختلافات کی لطیف توجیہات بھی کی ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک ائمہ فقہ کے مابین اختلاف کا ماخذ و منشا قرآن و سنت اور اقوالِ صحابہؓ کی مختلف توجیہات ہیں جو اپنی اپنی جگہ مبنی بر حق ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی دیگر تصانیف میں بالعموم اور "المیزان الکبری" میں بالخصوص اپنا نظریہ اور اُسلوبِ تطبیق پیش کیا ہے جو عقل و نقل کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ آپ نے "المیزان الکبری" کی دونوں جلدوں میں "كتاب الطهارة" سے لے کر "كتاب أمهات الأولاد" تک کے مختلف فیہا مسائل کے مابین تطبیق و توفیق دے کر عملی راہنمائی بھی کی ہے۔ آپ نہ صرف اقوالِ صحابہ کے مابین تطبیق و توافق پیدا کرتے ہیں بلکہ احادیثِ مختلفہ کی حکمت افروز اور متاثر کن توجیہات بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ احادیثِ مختلفہ کے مابین تطبیق سے پہلے اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولنشرع في الجمع بين الأحاديث الشريفة تنزيلها على مرتبتي الشريعة المطهرة من تخفيف وتشديد عملاً بقول الإمام الشافعي وغيره إن إعمال الحديثين بحملهما على حالين أولى من إلغاء أحدهما"[1]

"اب ہم مقصود کو شروع کرتے ہیں۔ پہلے ہم احادیث کو باہم جمع کرکے اور ان کو شریعتِ مطہرہ کے دونوں مرتبوں (تشدید و تخفیف) کی طرف لوٹا کر دکھلاتے ہیں تاکہ امام شافعیؒ کے اس قول پر عمل ہو جائے کہ دو مختلف حدیثوں پر اس طرح عمل کرنا کہ دونوں کو مختلف احوال پر محمول کیا جائے، اس سے بہتر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کو لغو قرار دیا جائے۔"

ازالہ شبہ:

امام شعرانیؒ "المیزان الکبری" کی تصنیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طلبہ نے متعدد بار درد مندانہ استدعا کی کہ جب ہم جملہ ائمہ مجتہدین کے برسر ہدایت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ دعویٰ ہمارے قلبی اعتقاد کے مطابق کیوں نہیں ہوتا؟ امام شعرانی فرماتے ہیں، تب میں نے شریعتِ مطہرہ کے تمام دلائل اور ائمہ مجتہدین کے جملہ اقوال میں جب امعانِ نظر سے دیکھا تو انھیں دو مرتبوں، تشدید اور تخفیف سے باہر نہ پایا، درجۂ تشدید اقویاء (ایمان اور جسم کے اعتبار سے قوی) کے لیے اور درجۂ تخفیف ضعفاء (ایمان اور جسم کے اعتبار سے کمزور) کے لیے۔ کیا ایسے بھی احکام شرع میں موجود ہیں، جن میں قوی و ضعیف، دونوں کو شرع نے اختیار دیا ہو کہ جس درجہ پر بھی عمل پیرا ہونا چاہیں، ہو جائیں؟ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے امام شعرانیؒ لکھتے ہیں:

"لكن ينبغي استثناء ما ورد من الأحكام بحكم التخيير فإن للقوي أن ينزل إلى مرتبة الرخصة والتخفيف مع القدرة على فعل الأشد، ولا تكون المرتبتان المذكورتان في الميزان فيه على الترتيب الوجوبي وذلك كت خيير المتوضيء إذا كان لابس الخف بين نزعه و غسل الرجلين وبين مسحه بلا نزع، مع أن إحدى المرتبتين أفضل من الأخرى كما ترى، فإن غسل الرجلين أفضل إلا لمن نفرت نفسه من المسح مع علمه بصحة الأحاديث فيه فإن المسح له أفضل، على أنه لقائل أن يقول إن المرتبين في حق هذا الشخص أيضاً على الترتيب الوجوبى بمعنى أنه لو أراد أن يعبد الله تعالى بالأفضل كان الواجب عليه في الإتيان بالأفضل ارتكاب العزيمة، وهو إما الغسل بالنظر إلى حال غالب الناس و إما المسح بالنظر إلى ذلك الفرد النادر الذى نفرت نفسه من فعل السنة لا سيما وقولنا أفضل غير مناف للوجوب كما تقول لمن تنصحه: عليك

يا أخي برضا الله تعالى فإنه أولى لك من سخطه، و كذلك ينبغي أن يستثني من وجوب الترتيب في مرتبتي الميزان ما إذا ثبت عن الشارع فعل أمرين معاً في وقتين من غير ثبوت نسخ لأحدهما كمسح جميع الرأس في وقت ومسح بعضه في وقت آخر، وكموالاة الوضوء تارة وعدم الموالاة فيه تارة أخرى ونحو ذلك، فمثل هذا لا يجب فيه تقديم مسح جميع الرأس والموالاة على مسح بعضه وعدم الموالاة إلا إذا أراد المكلف التقرب إلى الله تعالى بالأولى فقط وقس على ذلك نظائره-"[۲]

"لیکن اس کلیہ سے وہ احکام مستثنیٰ ہیں جن میں شرع نے اختیار دیا ہے کیونکہ اس قسم کے احکام میں قوی کے لیے جائز ہے کہ وہ رخصت کو اپناتے ہوئے تخفیف پر عمل پیرا ہو باوجودیکہ وہ عزیمت و تشدید پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور اس قسم کے احکام میں یہ کتاب، میزان کے دونوں درجوں میں ترتیب کو واجب قرار نہیں دے گی مثلاً وضو کرنے والے کو جب وہ موزے پہنے ہوئے ہو، اختیار ہے کہ چاہے ان موزوں پر مسح کرے یا ان کو اُتار کر پاؤں دھوئے اگرچہ ان دونوں مرتبوں میں ایک مرتبہ (مسح کرنے کی بجائے پاؤں دھونا) افضل ہے مگر اُس شخص کے لیے جو صحیح احادیث موجود ہونے کے باوجود بھی مسح سے نفرت کرتا ہو، تو اُس کے حق میں مسح کرنا افضل ہوگا۔ اگر اس شخص کے متعلق کوئی کہے کہ اُس کو استثناء دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں بھی ترتیب کا لحاظ واجب ہے اس معنی میں کہ اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت بطریق افضل کرنا چاہے تو اُس کے لیے عزیمت کی بجا آوری لازم ہے اور یہ یا تو پاؤں کا دھونا ہے جیسا کہ اکثر لوگوں کا معمول ہے یا مسح کرنا ہے اور یہ اُس شخص کے ساتھ خاص ہے جو عالم ہونے کے باوجود بھی سنت فعل کی ادائیگی سے متنفر ہو اور ہمارا اس کو افضل کہنا، اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے تم کسی کو نصیحت کرتے ہوئے کہو کہ اللہ کی رضا کو لازم پکڑو کیونکہ اُس کی رضا، اُس کی ناراضگی سے بہتر ہے (حالانکہ اُسے راضی رکھنا واجب ہے۔)

اسی طرح اس کلیہ سے وہ دو اُمور بھی مستثنیٰ ہیں جن کا ثبوت دو مختلف اوقات میں ہو اور اُن میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بھی ثابت نہ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کا بعض اوقات تمام سر مبارک کا مسح کرنا اور بعض میں سر مبارک کے کچھ حصہ کا۔ اسی طرح کبھی پے در

پے اعضا کا دھونا اور کبھی نہ دھونا مگر اس صورت میں جب بندہ تقرب الی اللہ کا ارادہ رکھتا ہو اور اس پر اس کے باقی نظائر کو قیاس کرلو۔"

عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرنا—کب پسندیدہ؟

امام شعرانیؒ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بعض اوقات عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرنا افضل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((ليس من البر الصيام في السفر))[۳]

"سفر میں روزہ رکھنا بھلائی کی بات نہیں ہے۔"

تو مسافر کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سفر میں روزہ نہ رکھے اور ویسے بھی ہم شارعؑ کے تابع ہیں۔ خود صاحب شریعت نہیں ہیں۔ شارع ؑ کے طریق سے ہٹ کر قربِ باری تعالیٰ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز رخصتوں پر اُس وقت عمل کرو جب اُن پر عمل کرنے کی شرطیں موجود ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ امر پسندیدہ ہے کہ اُس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح وُہ اپنی عزیمتوں پر عمل کرانا پسند فرماتا ہے۔[۴]

رخصت و عزیمت میں سے صرف ایک پر عمل:

"فإن قال قائل: فمن أين جعلتم كلام المجتهدين من جملة الشريعة مع أن الشارع لم يصرّح بما استنبطوه؟ فالجواب أنه يجب حملهم على أنهم علموا ذلك الوجوب أو التحريم من قرائن الأدلة أو علموا أنه مراد الشارع من طريق كشفهم لا بدّ لهم من أحد هذين الطريقين وقد يجتمعان عند بعض المجتهدين- فإن قال قائل: فما تقولون فيما ورد فرداً من الأحاديث والأقوال؟ فالجواب مثل ذلك لا مقابل له بل هو شرع مجمع عليه فلا يأتى فيه مرتبتا الميزان وذلك كالحديث الذى نسخ مقابله أو كالقول الذى رجع عنه المجتهد أو أجمع العلماء على خلافه، فليس فيما ذكر إلا مرتبة واحدة لجميع المكلفين لعدم وجود مشقة على أحد في فعله ترجح على مشقة تركه خلاف ما فيه المشقة المذكورة فإنه يجىء فيه التخفيف والتشديد كالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر مثلاً فإنه ورد في كل منهما التخفيف والتشديد، فالتشديد كونه عند بعضهم لا يسقط عن المكلف بخوفه على نفسه أو ماله، والتخفيف سقوطه عنه بخوفه

المذكور عند آخرين، فالأوّل في حق الأقوياء في الدين كالعلماء والصالحين، والثاني في حق الضعفاء من العوام في الإيمان واليقين-"[۵]

"اگر کوئی سوال کرے کہ اس حدیث یا قول کے بارے میں کیا کہوگے جو ایک ہی واقع ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے قول یا حدیث کا چونکہ کوئی مقابل نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس میں میزان کے دو مرتبے جاری نہ ہوں گے بلکہ وہ امر متفق علیہ سمجھا جائے گا۔ اور اس کی مثال:

ا۔ وہ حدیث ہے جس کا مقابل منسوخ ہو گیا ہو۔

ب۔ یا وہ قول جس سے مجتہد نے رجوع کر لیا ہو۔

ج۔ یا اس کے خلاف پر علماء کا اجماع ہو گیا ہو۔

تو ایسی مثالوں میں تمام مکلفین کے لیے ایک ہی مرتبہ ہوگا کیونکہ ان کی بجاآوری کے وقت کسی مکلّف پر ایسی مشقت نہیں ہوتی جس کو ان کے ترک کرنے کی مشقت پر ترجیح ہو۔ برخلاف ان احکام کے کہ جن میں ایسی مشقت پائی جاتی ہے تو ان کے اندر دونوں مرتبے جاری ہوں گے جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر دونوں مرتبے جاری ہوتے ہیں۔ ان میں عزیمت تو یہ ہے کہ یہ دونوں کبھی ساقط نہیں ہوتے، چاہے جان اور مال کا خوف بھی کیوں نہ ہو اور رخصت یہ ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک جان اور مال کے خوف کے وقت یہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ ان میں عزیمت قوی لوگوں کے لیے ہے جیسے علماء اور صالحین اور رخصت عوام کے واسطے ہے جو ایمان اور یقین میں کمزور ہوں.

امام شعرانیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میزان کے دونوں مرتبے قیاس اور استنباط احکام میں بھی جاری ہوتے ہیں۔[۶]

اگر صرف ایک درجۂ تشدید یا تخفیف ہوتا تو؟

امام شعرانیؒ اس امر کی وضاحت، (اگر احکامِ شرع میں صرف ایک ہی درجہ تشدید یا تخفیف ہوتا)، کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فعلم أن الشريعة لو كانت جاءت على إحدى مرتبتى الميزان فقط، لكان فيها حرج شديد على الأمة في قسم التشديد، ولم يظهر للدين شعار في قسم التخفيف، وكان كل من قلد إماماً في مسألة قال فيها بالتشديد لا يجوز العمل

بقول غيره في مضايق الأحوال والضرورات، فكانت المشقة تعظم على الأمة بذلك، فالحمد لله الذي جاءت شريعة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم على أكمل حال بحكم الاعتدال، فلا يوجد فيها شيء فيه مشقة على شخص إلا ويوجد فيها شيء آخر فيه التخفيف عليه إما حديث أو أثر أو قول إمام آخر أو قول في مذهب ذلك المشدد مرجوح يخفف عنه"[7]

"تو یہ امر معلوم ہو گیا کہ شریعت کے ان دو مرتبوں کی (جو "المیزان الکبریٰ" میں بیان کیے گئے ہیں) بجائے صرف ایک ہی مرتبہ (تشدید یا تخفیف) ہوتا تو بر تقدیر مرتبۂ تشدید کے، اُمت پر نہایت تنگی ہوتی اور تخفیف کی صورت میں دین کے شعار کا اظہار نہ ہو پاتا۔ اور ہر شخص جب کسی امام کی کسی مسئلہ میں، جس میں اُس نے تشدید کا فتویٰ دیا ہوتا، تقلید کرنے والا شدید ضرورت اور حالات کی تنگی میں بھی دوسرے امام کے قول پر عمل نہ کر پاتا تو اس صورت میں اُمت پر مشقت دوچند ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شریعت اعتدال کے حکم کے ساتھ اکمل ترین حالت میں ظہور پذیر ہوئی۔ پس اب یہ صورت ہے کہ اگر ایک حکم کسی شخص پر شاق ہے تو وہاں دوسرا حکم بھی موجود ہے، جس میں تخفیف ہے چاہے وہ حدیث ہو یا اثر یا کسی دوسرے امام کا قول ہو، بہر صورت تشدید کے ساتھ تخفیف بھی موجود ہو گی۔"

ہاں اگر صرف ایک روایت ہو تو قوی اور ضعیف ہر دو پر اُس پر عمل پیرا ہونا لازم ہوگا اور دونوں میں عمل کرنے کی طاقت بھی موجود ہو گی کیونکہ شرع میں "تكليف ما لا يطاق" ممنوع ہے مثلاً صیغۂ تشہد کے حوالے سے امام شعرانیؒ نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسری حضرت جابرؓ سے۔ پھر امام بخاریؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و قال البخاري: حديث جابر خطأ، فعلى ذلك يرجع الأمر إلى مرتبة واحدة كالحديث الذي ورد فرداً"[8]

"اور امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت جابر سے مروی روایت خطا پر مبنی ہے تو اس بنا پر معاملہ میزان کے ایک مرتبہ کی طرف راجع ہوگا، اس حدیث کی طرح جو (اپنے موضوع کے حوالے سے) فرد واقع ہوئی ہو۔"

ائمۂ مجتہدین کے مختلف فیہا اقوال کے مابین تطبیق

مختلف فیہا روایات کے مابین تطبیق کی طرح ائمہ فقہ کے فقہی اختلافات کے مابین بھی امام شعرانیؒ نے تطبیق دی ہے۔ فقہاء کے مختلف فیہا اقوال کے ذکر اور اُن کے مابین تطبیق سے قبل آپ تقریباً ہر کتاب اور باب کے شروع میں پہلے اُن مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو متفق علیہا اور اجماعی ہوتے ہیں مثلاً "کتاب الطھارۃ" میں مختلف فیہا مسائل کا ذکر کرنے سے پہلے اجماعی اور متفق علیہ مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أجمع الأئمة الأربعة على وجوب الطهارة بالماء للصلاة مع التمكن من استعماله فيها حسّاً أو شرعاً، كما أجمعوا على وجوب التيمّم عند حصول فقده كذلك، وعلى أن ماء الورد والخلاف لا يطهر عن الحدث، وعلى أن المتغير بطول المكث طهور وعلى أن السواك مأمور به- هذه مسائل الاجماع في هذا الباب"[۹]

"اس امر پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ نماز کے لیے پانی سے طہارت حاصل کرنا واجب ہے بشرطیکہ نمازی شرعاً اور حسّاً دونوں طرح پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہو۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی وجہ سے پانی کے استعمال پر نمازی قادر نہ ہو تو تیمّم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اس پر بھی ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ گلاب اور بید کے درخت کے پانی سے وضو کرنا حدث سے پاک نہیں کرتا اور اگر پانی کسی جگہ زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے رنگت یا ذائقے کے اعتبار سے بدل جائے تو بھی اُس سے وضو کرنا درست ہوگا اور یہ کہ مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس باب کے یہ وہ مسائل ہیں جن پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔"

اگر کسی حکم میں دو سے زیادہ اقوال ہوں تو؟

امام شعرانی عموماً فقہی فروعی اختلافات کو میزان کے دو درجوں کی طرف راجع کرتے ہیں، البتہ بعض مقامات پر دو کی بجائے تین مرتبے (تشدید، تخفیف اور متوسط) بھی بیان کر دیتے ہیں، مثلاً "لمس المرأۃ" سے متعلق فقہاء کا اختلاف نقل کرنے کے بعد میزان کے دو درجوں کی طرف راجع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فمن العلماء المشدد والمتوسط والمخفّف"[۱۰]

"پس علماء میں سے بعض متشدد، بعض متوسط اور بعض تخفیف کرنے والے ہیں۔"

اگر کوئی قول تشدید یا تخفیف کے قریب ہو تو اُسے اپنے قریب کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

"ثم إنه قد يكون في الحكم الواحد أكثر من قولين فالحاذق يرّد ما قارب التشديد إلى التشديد وما قارب التخفيف إلى التخفيف"[11]

"پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حکم سے متعلق دو سے زیادہ اقوال ہوتے ہیں تو ماہرِ فن یہ کرتا ہے کہ جو تشدید کے قریب ہو اُسے درجۂ تشدید میں اور جو تخفیف کے قریب ہو اُسے درجۂ تخفیف میں رکھتا ہے۔"

اگر ائمہ کے کلام میں تناقض ہو تو:

امام شعرانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد علی الخواص کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"كلّ ما ترونه في كلام الشارع وكلام أحد من الأئمة مخالفاً للآخر في الظاهر فهو محمول على حالين لأن كلام الشارع يجلّ عن التناقض و كذلك كلام الأئمة لمن نظر فيه بعين العلم والإنصاف لا بعين الجهل والتعصّب"[12]

"جب تم شارعؑ اور کسی امام کے کلام کو بظاہر باہم مخالف دیکھو، تو وہ مختلف حالتوں پر محمول ہوگا، کیونکہ شارعؑ اور اسی طرح ائمہ مجتہدین کا کلام تناقض سے بالا ہے بشرطیکہ جہالت وتعصب کی بجائے علم وانصاف کی نظر سے دیکھا جائے۔"

مختلف فیہا مسائل میں پوشیدہ اسرار و حکم کی توضیح:

امام شعرانی نے ائمہ فقہ کے فقہی فروعی اختلافات کے مابین تطبیق کے ساتھ مختلف فیہا مسائل میں پوشیدہ اسرار و حِکَم کی بھی توضیح کی ہے مثلاً سجدہ ہائے تلاوت کے وجوب و استحباب کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سمعت سيدي علياً الخواص رحمه الله يقول: وجوب السجود خاص بالأصاغر الذين لم يكملوا في مقام التواضع و استحبابه خاص بالأكابر الذين محق الله تعالى جميع ما كان في نفوسهم من الكبر، وصار أحدهم يرى نفسه قد استحقت الخسف به لولا عفو الله عزوجل، وصارت قلوب الخلق كلهم تشهد لهم بالذل ولانكسار بين يدي الله عزوجل، فرحم الله الإمام أبا حنيفة ما كان أدق نظره وخفاء مواضع استنباطاته ورحم الله بقية الأئمة في تخفيفهم

عن العامة بعدم وجوب سجودة التلاوة عليهم لأنهم تحت سياج العفو فيما عندهم من الكبر فلا يكاد أحدهم يخرج عنه بل ربما رأى نفسه بالسجود على من لم يسجد مثله فوقع في الكبر أيضاً زيادة على الكبر الأصلي وتكبر في محل الذل والانكسار فافهم"[۱۳۴]

"میں نے علی الخواص کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سجودِ تلاوت کا وجوب اُن اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کے ساتھ خاص ہے جو مقامِ تواضع میں درجۂ کمال کو نہیں پہنچے اور اس کا استحباب اُن اکابر (بڑے درجہ کے لوگ) کے ساتھ مخصوص ہے کہ جن کے نفوس میں جملہ قسم کے تکبر کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا عفو و کرم نہ ہوتا تو ان میں سے ہر ایک اپنے نفس کو زمین میں دھنسا دیا جانے کا مستحق جانتا۔ اور تمام مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے تذلل و انکسار کی گواہی دینے لگیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے کہ وہ کتنے دقیق النظر تھے اور اُن کے مقاماتِ استنباط کس قدر (لوگوں کی نظروں سے) درجۂ خفا میں ہیں اور (اسی طرح) بقیہ ائمہ مجتہدین پر بھی رحم فرمائے کہ انھوں نے سجدہ ہائے تلاوت کے عدم وجوب کے قول کے ذریعے عامۃ الناس کے لیے تخفیف کی ہے کیونکہ وہ اس تکبر کی وجہ سے، جو اُن کے اندر موجود ہے، (اللہ تعالیٰ کی) معافی کے باڑہ اور احاطہ میں ہیں اس طرح کہ کوئی بھی اس باڑے سے خارج نہیں بلکہ بسا اوقات سجدہ کرنے سے اپنے آپ کو سجدہ نہ کرنے والوں سے برتر سمجھنے لگتا ہے۔ پس اُن کے اندر اُس کبر میں جو اصلی تھا اور اضافہ ہو جاتا ہے اور تذلل و انکسار کے مقام پر تکبر کرنے لگتے ہیں اس نکتہ کو ذہن نشین کر لو۔"

انعقادِ جمعہ کے حوالے سے لطیف نکات اُٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وسمعت سيدي علياً الخواص رحمه الله يقول: أصل مشروعية الجماعة في الجمعة وغيرها عدم قدرة العبد على الوقوف بين يدي الله وحده، فشرع الله الجماعة ليستأنس العبد بشهود جنسه حتى يقدر على إتمام الصلاة مع شهود عظمة الله التى تتجلي لقلبه، وقد جاء اختلاف العلماء في العدد الذي تقام به الجمعة على اختلاف مقامات الناس في القوة والضعف، فمن قوي منهم كفاه الصلاة مع ما دون الأربعين إلى الثلاثة أو الاثنين مع الإمام كما قال

أبو حنيفة أو مع الواحد كما قال به غيره و من ضعف منهم لا يكفيه إلا الصلاة مع الأربعين أو الخمسين كما قال به الشافعي و أحمد والله أعلم-"[١٤٤]

"میں نے علی الخواص کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جمعہ کی جماعت کی مشروعیت کی اصل وجہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اکیلا کھڑے ہونے پر عدم قدرت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی جماعت مشروع کر دی تاکہ بندہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر موانست حاصل کر سکے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدہ کے باوجود جو اُس کے قلب پر متجلی ہو رہی ہے، نماز کی تکمیل پر قادر ہو سکے۔ اور جمعہ کے قیام کے سلسلے میں افراد کی تعداد کے تعین میں جو علماء کا اختلاف منقول ہے وہ لوگوں کی قوت و ضعف کے اعتبار سے مقامات کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ پس جو لوگ اس میں سے قوی ہیں تو اُن کے لیے چالیس سے کم افراد کے ساتھ بھی نمازِ جمعہ ادا کرنا کافی ہے اگرچہ امام کے ساتھ صرف دو یا تین افراد بھی کیوں نہ ہوں جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ امام کے ساتھ ایک آدمی بھی کیوں نہ ہو نمازِ جمعہ صحیح ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے بھی کہا ہے۔ اور جو ان میں سے کمزور ہیں تو ان کے لیے چالیس یا پچاس آدمیوں سے کم تعداد کے ساتھ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کافی نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم"

تشہد اخیر میں درود کے واجب یا سنت ہونے کے اختلاف کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وإيضاح ذلك أن الأصاغر ربما تجلى الحق لقلوبهم فدهشوا بين جماله وجلاله واصطلموا عن شهود ما سواه، فلو أوجبوا عليهم الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم لشق ذلك عليهم بخلاف الأكابر الذين أقدرهم الله تعالى على تحمل تجلياته في قلوبهم وقدروا على شهود الخلق مع شهود الحق تعالى فإنه يجب عليهم الصلاة على رسول الله صلى الله- عليه وسلم- ليعطوا كل ذي حق حقه، فحال الأصاغر كحال عائشة رضي الله تعالى عنها لما أنزل الله تعالى براءتها من السماء وقال لها أبوها قومي إلى رسول الله – صلى الله عليه وسلم- فاشكري من فضله، فقالت: والله لا أقوم إليه ولا أحمد إلا الله تعالى انتهي- فكانت مصطلمة عن الخلق لما تجلى لها من عظيم نعمة الله تعالى

عليها ببراءتها من السماء، ولو أنها كانت في مقام أبيها لسمعت لوالدها وقامت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فشكرت فضله، فإن الحق تعالى ما اعتنى بها هذا الاعتناء إلا إكراماً لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم۔"[۱۵]

"اس کی توضیح یہ ہے کہ جب کبھی اصاغر کے قلوب پر حق تعالیٰ تجلی فرماتا ہے تو پھر وہ اس کے جلال و جمال کے درمیان دہشت زدہ رہ جاتے ہیں اور ماسوی اللہ کے مشاہدہ سے بالکلیہ نکل جاتے ہیں تو اگر (اس حالت میں) اُن پر درود شریف پڑھنا واجب کر دیتے تو یہ اُن پر بہت شاق اور گراں ہوتا، بخلاف ان اکابر حضرات کے، جنھیں حق تعالیٰ نے اُن کے قلوب پر اپنی تجلیات کے نزول کے تحمل کی قدرت بخشی ہے اور وہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے باوجود مشاہدۂ مخلوق پر بھی قادر ہیں۔ اس لیے ان پر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے تاکہ ہر صاحبِ حق کا حق ادا کر سکیں۔ پس اصاغر کا حال حضرت عائشہ کے حال کے مشابہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اُن کی براءت نازل فرمائی اور آپ کے والد (حضرت ابوبکر صدیق) نے آپ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ اور اُن کے فضل کا شکریہ بجالاؤ تو آپ نے جواب دیا کہ نہ میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں جاؤں گی اور نہ تعریف کروں گی بجز اللہ تعالیٰ کے۔ تو اُس وقت آپ مخلوق سے بالکل الگ تھلگ تھیں (اور حق تعالیٰ میں مشغول تھیں) کیونکہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت؛ آسمان سے آپ کی براءت، نازل ہو رہی تھی اور اگر اُس وقت آپ اپنے والد ماجد کے مقام پر متمکن ہوتیں تو ضرور وہ اپنے والدِ محترم کے مشورہ کو سنتیں اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جا کر آپ ﷺ کے اس فضل و انعام کا شکر بجا لاتیں کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کا اس قدر اعتناء و اکرام صرف اور صرف اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے اکرام کی خاطر کیا۔"

"المیزان الکبری" کے مطالعہ کے دوران متعدد مقامات ایسے آتے ہیں جہاں امام شعرانی نے امام ابو حنیفہ کے نقطۂ نظر کی نہایت لطیف توجیہ کے ساتھ اُن کی دقتِ نظری اور فقہِ حنفی کے عمق کو واضح کیا ہے مثلاً سجدہ ہائے تلاوت کی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و هذا ممّا يشهد للإمام أبي حنيفة في قوله بوجوب السجود، فافهم"[۱۶]

"یہ بات اُس قبیلہ سے ہے جو امام ابو حنیفہ کے اس قول کی شاہد اور مؤید ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ پس اس نکتہ کو خوب سمجھ لو۔"

"منی کے نجس ہونے" کے متعلق امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے قول کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فكلام أبي حنيفة و مالك خاص بالأكابر من العلماء والصالحين"[۱۷]

"پس امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا نقطۂ نظر علماء و صالحین میں سے اکابر کے ساتھ خاص ہے۔"

سجدہ ہائے تلاوت سے متعلق امام ابو حنیفہ کی دقت و بالغ نظری اور فقہ حنفی کے عمق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرحم الله الإمام أبا حنيفة ما كان أدق نظره وخفاء مواضع استنباطاته"[۱۸]

"پس اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے کہ وہ کتنے دقیق النظر تھے اور آپ کے مواضع استنباط کس قدر (لوگوں کی نظروں سے) درجۂ خفاء میں تھے۔"

شاہ ولی اللہ کا اُسلوبِ تطبیق:

شاہ ولی اللہ نے فقہ حدیث سے متعلق کام، زیادہ تر اپنی تین کتابوں حجة الله البالغة، المسوى شرح الموطا اور مصفی شرح المؤطا میں کیا ہے۔ حجة الله البالغة میں اس سلسلہ میں جو کچھ کام ہے یا ان کی بعض دوسری تصانیف میں اس سلسلہ کے شاذ و نادر جو مسائل ہیں وہ تمام المسوى شرح الموطا میں موجود ہیں لہٰذا صرف انھیں دو کتابوں (المسوى اور مصفی) کا تتبع کرکے یہ معلوم کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل میں شاہ صاحب کا اُسلوبِ تطبیق کیا ہے اور اس میں وہ صرف ائمہ فقہ کا باہمی اختلاف نقل کرکے تطبیق و توافق پیدا کرتے ہیں یا کسی مذہب فقہ کے نقطۂ نظر کو ترجیح بھی دیتے ہیں؟

قیامِ حرمین کے دوران شاہ صاحب جس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے انھیں روحانی طور پر تین باتوں کا حکم ملا۔ ان میں سے ایک حکم کا اظہار یوں کیا ہے:

"'وثانيها الوصاة بالتقيد بهذه المذاهب الاربعة، لا أخرج منها والتوفيق ما استطعت وجبلتي تابى التقليد وتأنف منه رأساً ولكن شيء طلب مني التعبدية بخلاف نفسي'"[۱۹]

"ان امور میں سے دوسرا امر جس کے لیے مجھے کہا گیا وہ یہ ہے کہ میں ان چار (فقہی) مذاہب کا پابند رہوں اور ان کے دائرہ سے باہر نہ نکلوں اور جہاں تک ممکن ہو ان کے مابین تطبیق و توفیق کا فریضہ سرانجام دوں حالانکہ میری طبیعت تقلید سے اباء کرتی

تھی اور اسے سرے سے تقلید سے انکار تھا لیکن چونکہ یہ چیز خود میری اپنی طبیعت کے خلاف اطاعت و عبادت کی طرح مجھ سے طلب کی گئی تھی اس لیے مجھے اس سے جائے مفر نہ تھی۔"

حصولِ تعلیم کے بعد دورانِ تدریس مذاہبِ اربعہ کی فقہ اور اصولِ فقہ کی کتب اور ان احادیث میں غور و فکر کا موقع ملا جن سے ائمہ مجتہدین تمسک کرتے ہیں تو شاہ صاحب نے ایک ممتاز روش اختیار کی جس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وبعد ملاحظہ کتب مذاہبِ اربعہ و اصول فقہ ایشاں و احادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے محدثین افتاد۔"[۲۰]

"مذاہبِ اربعہ کی کتب اور ان کے اصولِ فقہ اور جو احادیث ان کا مستدل ہیں، ان کے ملاحظہ کرنے کے بعد نورِ غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کی روش اختیار کرنے کی دل میں آمادگی پیدا ہوئی۔"

جمع و تطبیق کے اس نازک عمل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حق تک رسائی کے لیے آپ کو ایک میزان بھی عطا فرمایا۔ شاہ صاحب رقمطراز ہیں:

"انّ الله تعالى جعل في قلبي وقتاً من الأوقات ميزاناً أعرف به سبب كلّ اختلافٍ وقع في الملّة المحمديّة على صاحبها الصلٰوة والسلام، وما هو الحقّ عند الله و عند رسولِه، و مكنني مِنْ أنْ أُثْبِتَ بالدلائل العقلية والنقلية بحيث لا يبقى فيه شبهة ولا إشكال۔"[۲۱]

"اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں کسی خاص وقت میں ایسا میزان رکھ دیا جس سے میں اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہونے والے ہر اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک حق کیا ہے؟ اور مجھے یہ قدرت بھی عطا فرمائی کہ میں اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس میں کوئی شبہ اور اشکال باقی نہ رہ جائے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ مذاہبِ اربعہ بالعموم اور مذہبِ حنفی وشافعی کے مابین بالخصوص تطبیق کے غیبی اشارے، اُس کا اسلوب اور پھر غلط و صحیح کے درمیان امتیاز کے لیے "میزان" کا عطا ہونا۔ یہ سب انعاماتِ الٰہیہ اور فیوضاتِ نبویہ تھے اور واقعتاً یہ مشکل کام خصوصی انعامات و فیوضات کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو اس

مستحسن و مطلوب کارنامہ کو سرانجام دینے کی استعداد مرحمت فرمائی شروع میں آپ نے مذہبِ حنفی و شافعی کے مابین تطبیق کا فریضہ سرانجام دیا بعد میں مذاہبِ اربعہ کے مابین نہ صرف تطبیق و توفیق کا فرض نبھایا بلکہ متعدد مقامات پر کسی ایک مذہبِ فقہ کو اپنے عہد کے تقاضوں کے پیش نظر ترجیح بھی دی۔ ذیل میں قدرے تفصیل دی جا رہی ہے۔

فقہِ حنفی اور فقہِ شافعی کے مختلف فیہا مسائل میں تطبیق کا اُسلوب:

شاہ ولی اللہ نے مذکورہ بالا تمام اسباب اور غیبی اشارے کی بناء پر مذاہبِ فقہ کے مابین تطبیق کرنے کا عزم فرمایا۔ سب سے پہلے آپ نے مذہبِ حنفی و شافعی کے درمیان اختلافات کے مابین تطبیق کے لیے عملی قدم اُٹھایا۔ آپ کا منہج کیا تھا اور ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف آراء کے مابین تطبیق کی آپ نے کیا شکل نکالی؟ اِن اُمور کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انّ الحقّ الموافق لعلوم الملاء الأعلٰی اليوم أن يجعلا كمذهب واحد يعرضان علٰی الكتب المدوّنة في حديث النبي صلی الله عليه وسلم من الفريقين، فما كان موافقاً بها يبقي وما لم يوجد له أصلٌ يسقط والثابت منها بعد النقد أن توافق بعضه بعضاً فذالك الذّي يعضّ عليه بالنواجذ وان يخالف تجعل المسئلة علي قولين ويصحّ الحمل عليهما، أويكون مِنْ قبيل اختلاف أحرف القرآن، أو علٰی الرخصة والعزيمة، أويكونان طريقين للخروج من المضيق كتعدّد الكفّارات أويكون أخذاً بالمباحين المستويين، لا يعدو الأمر هذه الوجود ان شاء الله تعالی۔" [۲۲]

"علوم الملاء اعلیٰ کے موافق حق یہ ہے کہ دونوں مذاہب (فقہ، حنفی اور فقہ شافعی) کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے اس طور پر کہ دونوں مذاہب کے فقہی مسائل کو ان ہی کی تدوین کردہ کتبِ حدیث پر پیش کیا جائے، جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو اُسے باقی رکھا جائے اور جو حدیث کے مخالف ہو اُسے ساقط کر دیا جائے اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو اُسے "مسئلہ علیٰ قولین" قرار دیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح قرار پائے یا ہر دو قول کو اس طرح سمجھا جائے جیسے قرآن میں بعض الفاظ کی قرأت میں دو قول ہیں یا ایک قول کو رخصت اور دوسرے قول کو عزیمت پر محمول کیا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ کفارہ کے طریقوں کی طرح ایک عمل کی ادائیگی کے دو طریقے یا دونوں کو برابر

درجہ کا مباح سمجھا جائے اور کوئی بھی مسئلہ ان مذکورہ بالا وجوہات سے باہر نہیں ہو گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔"

اجتہادی اور فقہی فروعی مسائل کے مابین تطبیق کے اُسلوب کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء ولاسيما هاتان الفرقتان العظيمتان; الحنفية والشافعية وخصوصاً في الطهارة والصلٰوة، فان لم يتيسر الاتفاق واختلفوا فنأخذُ بما يشْهدُ لَه ظاهر الحديث وَمعرُوفُه و نحن لانزدري أحداً من العلماء فالكلّ طالبوا الحق ولا نعتقد العصمة في أحدٍ غير النبي صلى الله عليه وسلم۔"[۲۳]

"ہم فروعات میں اسے اختیار کرتے ہیں جس پر علماء بالخصوص دو بڑے گروہ: حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہو، خصوصاً طہارت و نماز میں، اگر اتفاق میسر نہ آئے تو ہم اُسے اختیار کرتے ہیں جس کے حق میں ظاہر و معروف حدیث ہو، ہم کسی بھی عالم کی تحقیر نہیں کرتے، سب کے سب حق کے طالب ہیں اور ہم نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے۔"

فقہ حنفی وشافعی کے مابین تطبیق کی مثالیں:

۱- "بول الصبي" کی وجہ سے مطلوبہ مقام کو دھونا ضروری ہے یا محض اُس پر پانی چھڑکنا؟ کے حوالے سے فقہ حنفی وشافعی کے مابین تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت: قال الشافعي: ينضح من بول الغلام ما لم يطعم ويغسل من بول الجارية، فسره البغوي بأن بول الصبي نجس غير أنه يكتفي فيه بالرش وهو أن ينضح الماء عليه بحيث يصل إلى جمعيه فيطهر من غير مرس ولا دلل- و قال أبو حنيفة: يغسل منهما سواء، و يتجه أن يقال من جانب أبي حنيفة أن المراد بالنضح الغسل الخفيف وبالغسل المرس والدلك وأصل المسألة أن التطهير إنما يكون بإزالة عين النجاسة وأثرها وبول الجارية أغلظ وأنتن فاحتيج فيه إلى زيادة المرس۔" [۲۴]

"میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ امام شافعی نے فرمایا کہ "بول الغلام" (بچے کے پیشاب) کی صورت میں صرف پانی چھڑکا جائے گا جب تک اُس نے کھانا کھانا شروع نہ کیا ہو جب کہ بچی کے پیشاب کی صورت میں دھویا جائے گا۔ امام بغوی نے اس کی

یہ توضیح کی ہے کہ بچے کا پیشاب ناپاک ہے مگر اس میں صرف پانی چھڑکنا کافی ہے اور وہ اس طرح پانی ڈالا جائے کہ پورے مقام تک پانی پہنچ جائے اور یہ بغیر ملنے کے پاک ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں دھویا جائے گا اور آپ کے اس قول کی یہ توجیہ کی جائے گی کہ نضح سے مراد ہلکا سا دھونا اور "غسل" سے مراد ملنا اور رگڑنا ہے اور مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ تطہیر (پاک کرنا) کبھی نجاست کے عین کو زائل کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی اس کے اثر کو زائل کرنے سے اور "بول الجاریۃ" (بچی کا پیشاب) چونکہ زیادہ "غلیظ" اور "نتن" ہوتا ہے اس لیے اس کو زیادہ ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

۲۔ رکوع و سجود میں اقامت صلب کے ساتھ، طمانیت و اعتدال کے حوالے سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے اختلاف کے مابین تطبیق دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"قلت: ذهب الشافعي إلى أنه لو ترك إقامة الصلب في الركوع والسجود والطمأنينة فيهما وفي الاعتدال عن الركوع والسجود فصلاته فاسدة، و مذهب أبى حنيفة على تخريج الكرخى أن الطمأنينة واجبة في الركوع والسجود، وسنة في الاعتدال عن الركوع والسجود وهو الصحيح دراية، والمشهور عند أصحابه ان الطمأنينة غير واجبة وكذا الاعتدال بعد الركوع والجلوس بين السجدتين، فالتشبيه بالسرقة عند الشافعى للتحريم وعند أبى حنيفة على المشهور للكراهية۔"[۲۵]

میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ امام شافعی اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی (نمازی) رکوع و سجود میں اقامتِ صلب (کمر سیدھی رکھنا)، طمانیت اور اعتدال کو ترک کر دے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جب کہ کرخی کی تخریج کے مطابق امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ رکوع و سجود میں طمانینت واجب ہے اور رکوع و سجود سے اُٹھتے وقت سنت ہے اور عقل کی رو سے (درایۃً) بھی یہی نقطۂ نظر درست ہے اور آپ کے اصحاب کے ہاں بھی یہی معروف ہے کہ طمانیت واجب نہیں ہے اس طرح "قومہ" اور "جلوس" میں بھی واجب نہیں ہے۔ امام شافعی کا عدم طمانینت کو سرقہ کے ساتھ تشبیہ دینا تحریم کے لیے ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے مشہور قول کے مطابق یہ تشبیہ کراہت پر مبنی ہے۔"

مذاہبِ اربعہ کے مختلف فیہا مسائل کے مابین تطبیق کا اُسلوب:

دوسرے مرحلے میں شاہ ولی اللہ نے مذاہبِ اربعہ کے مختلف فیہا مسائل کے مابین تطبیق و توفیق کا کام شروع فرمایا۔ چنانچہ اپنی تصنیف "مصفي شرح المؤطا" (جو المسوى شرح المؤطا کے بعد کی تصنیف ہے) میں اسی نہج پر سعی فرمائی۔ "مصفي شرح المؤطا" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"ایں فقیر را مدّتے بسبب اختلاف فقہاء و کثرت احزاب علماء و کشیدن ہر کسے بجانب تشویشے رائے داد... بعد ازاں بتضرع تمام بحضرت باری جلّ مجدہ متوجہ شُد و گفت ﴿لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ﴾[۲۶] پس اشارہ بکتاب موطا کہ تالیف امام حجۃ الاسلام مالک بن انس است، واقع شُد... کہ امروز ہیچ کتابے از کتب فقہ اِقوی از موَطا نیست۔"[۲۷]

"اختلافِ فقہاء، علماء کی گروہی مخالفت اور ان میں سے ہر ایک کا اپنی طرف کھینچنے نے فقیر کو ایک مدت تک تشویش میں مبتلا رکھا... اس کے بعد تمام تر عجز و تضرع کے ساتھ بارگاہ باری تعالیٰ جلّ مجدہٗ میں عرض گزار ہوا:

"یقینا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ عطا فرمائی ہوتی تو میں بالیقین گمراہ لوگوں سے ہو جاتا"... پس مجھے حجۃ الاسلام امام مالک بن انس کی تالیف "مؤطاء" کا اشارہ ہوا... کیونکہ عصر حاضر میں کتب فقہ میں سے کوئی کتاب بھی "مؤطاءً" سے زیادہ مستند نہیں ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کے مابین فقہی و فروعی اختلاف کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کافی عرصہ تشویش میں مبتلا رہے۔ اور جب اس کے رفع کی کوئی صورت سامنے نہ آئی تو مجبور ہو کر رب العالمین کی بارگاہ میں طلبِ ہدایت کی استدعا کی۔ نتیجتاً موطا امام مالک کو اختیار کرنے کا اشارہ ہوا اور آہستہ آہستہ شاہ صاحب کو اس حقیقت کا ادراک بھی ہو گیا کہ اس وقت کتبِ فقہ میں سے کوئی کتاب موطا سے زیادہ مستند اور معتمد نہیں ہے۔ چنانچہ مصفي شرح المؤطا میں آپ نے نہ صرف مذاہبِ اربعہ بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین کے نقطہ ہائے نظر بھی نقل کرنے کا اہتمام فرمایا۔ اور تطبیق کے علاوہ مجتہد فیہ مسائل میں حدیث کی رو سے کسی ایک مذہبِ فقہ کو ترجیح بھی دی ہے۔

مذاہبِ اربعہ کے مابین تطبیق وترجیح کی چند مثالیں:

شاہ صاحب نے مذاہبِ اربعہ کے مابین تطبیق کے بعد کسی ایک مذہبِ فقہ کو ترجیح دی ہے اگرچہ یہ چند مسائل میں کیا ہے تاہم اس سے ان کا اُسلوبِ تطبیق و ترجیح واضح ہو جاتا ہے۔ ذیل میں مذاہبِ اربعہ میں سے ہر مذہبِ فقہ کو ترجیح دینے کی ایک ایک مثال دی جارہی ہے۔

۱-"بول الصبي" اور "بول الجارية" کے حوالے سے ائمہ فقہ کا اختلاف نقل کرنے کے بعد مذہبِ شافعی کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"مسئلہ: معنیٔ حدیث نزدیک شافعی آنست کہ رش انداختن آبست بوجہیکہ عام و غالب شود در موضع بول بغیر سیلان و نزدیک غیر او چنانکہ خطابی اشارہ کردہ است نضح امرار آبست بر محل بول برفق از غیر مرس و دلک و در غسل رش و دلک بیباید و اول اُولیٰ و اقوی است۔"[۲۸]

"مسئلہ: امام شافعی کے نزدیک حدیث کا معنی یہ ہے کہ بول کی جگہ پر بغیر گرائے اس طرح سے پانی چھڑکا جائے کہ عام اور غالب ہو جائے اور امام شافعی کے علاوہ دیگر فقہاء کے نزدیک، جیسا کہ خطابی نے اشارہ کیا ہے کہ بول کے محل پر بغیر ملے نرمی کے ساتھ پانی چھڑکنا "نضح" ہے جب کہ "غسل" میں پانی چھڑکنا اور ملنا دونوں شامل ہیں۔ پہلا قول زیادہ اولیٰ اور اقوی ہے۔"

۲-"منی کے نجس ہونے" کے حوالے سے مذہبِ حنفی کو ترجیح دیتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"مترجم گوید مستحب است کہ بر مواضع شبہ آب افشانند وازیں حدیث ۲۹ مفہوم میشود کہ منی نجس است وہو الاصح"۳۰

"مترجم (شاہ ولی اللہ) کہتے ہیں کہ مواضع شبہ پر پانی بہانا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ منی نجس ہے اور یہی اصح ترین قول ہے۔"

۳-"کپڑے پر منی کے لگنے کی صورت میں، چاہے خشک ہو یا تر، دھونا لازم ہے یا نہیں؟" کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مذہبِ مالکی کو ترجیح دیتے ہوئے شاہ صاحب ارقم فرماتے ہیں:

"منی آدمی طاہر است نزدیک شافعی بحدیث شیخین عن عائشۃ "أنها كانت تحك المنّى عَن ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلّم ثم يصلى فيه" و نجس است نزدیک ابی حنیفہ و مالک و غیر آنکہ ابو حنیفہ میگوید فرک یابس کفایت میکند و مالک میگوید کفایت نمیکند و اِقوی نزدیک فقیر قول مالک است زیراکہ شستن عمر ثوب را درینوقت باین اہتمام دلالت میکند بر نجاست او و اِما حدیث "كانت تحك..." معنیش نزدیک

فقیر تحك في أثناء الغسل مثل قرص دحت در حدیث غسل دم زیرا کہ اکثر طریق این حدیث مشتمل اند بر غسل و طرقِ شاذہ را بر ہماں معنی حمل باید کرد واللہ اعلم۔"[۳۱]

"امام شافعی کے نزدیک روایت شیخین عن عائشۃ کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں پھر آپ ﷺ انھی کپڑوں میں نماز ادا فرماتے، کے سبب آدمی کی منی طاہر ہے جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک نجس ہے مزید یہ کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خشک منی کو کھرچ دینا کافی ہے جبکہ امام مالک کہتے ہیں صرف کھرچنا کفایت نہیں کرے گا اور فقیر کے نزدیک امام مالک کا قول اقویٰ ہے کیونکہ حضرت عمر کا اس وقت (یعنی نمازِ صبح کے وقت) اتنے اہتمام کے ساتھ منی سے آلودہ کپڑوں کو دھونا، اس کے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے جہاں تک حدیث "کانت تحک" کا تعلق ہے تو فقیر کے نزدیک اس کا معنی اثناء غسل میں کھرچنا ہے جیسا کہ عورت کا حیض کپڑوں کو دھوتے وقت خون کے اثرات کو کھرچنا ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث کے اکثر طرق دھونے پر مشتمل ہیں تو اس صورت میں طرقِ شاذہ کو اسی معنی (یعنی دھونے) پر محمول کرنا چاہیے واللہ اعلم"

۴۔اسی طرح معدن کی زکوۃ میں فقہِ حنبلی کو ترجیح دیتے ہوئے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"پس قول احمد راجح است کہ واجب میشود در ہر معدن. برابر است کہ منطبع باشد یا غیر منطبع و اختلاف کردند در قدر واجب از معدن. بر سہ قول خمس مانند رکاز و ربع عشر مانند نقود و قول ثالث تفصیل است اگر بتعب حاصل میشود مانند نقد است و اگر بغیر تعب حاصل شود مانند رکاز است فقیر گوید لفظ الزکوۃ محمل. بر سہ وجہ میتواند شد اگر بمعنے خمس باشد پس منظور حصر است بہ نسبت تمام گرفتن و اگر ربع العشر باشد منظور حصر است بہ نسبت خمس و اقرب در معدن ذہب و فضہ حمل او بر رکاز است یا ادخال او در لفظ رکاز"[۳۲]

"پس امام احمد کا یہ قول زیادہ راجح ہے کہ ہر معدن میں زکوۃ واجب ہے۔ چاہے وہ منطبع ہو (خود نکلے) یا غیر منطبع (نکالی جائے) اور پھر معدن میں زکوۃ کی مقدار کے حوالے سے علماء کا اختلاف ہے اور اس میں تین قول ہیں، رکاز کی مانند خمس ہوگا، نقود کی مانند چودھواں حصہ ہوگا اور قول ثالث کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تعب و مشقت کے ساتھ حاصل ہو تو نقود کے حکم میں ہوگی اور اگر بغیر مشقت و تعب کے حاصل ہو رکاز کی مانند ہوگی۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ لفظ زکوۃ تینوں توجیہات پر محمول کیا جاسکتا ہے اگر خمس کے معنی میں ہو تو تمام کو قبضے میں نہ لینے کا حصہ ہوگا، اگر چودھواں حصہ مراد لیا جائے تو خمس کے مقابلے میں حصر مقصود ہوگا اور سونے چاندی

کی معدن (کان) ہو تو رکاز پر محمول کیا جائے گا یا اُسے لفظ "رکاز" کے ذیل میں ہی شمار کیا جائے گا۔"

امام شعرانی اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے اسلوب ہائے تطبیق سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ جن فقہی اختلافات کو شریعت اسلامیہ کی روح سے ناواقف حضرات باعثِ تشتت وافتراق قرار دیتے ہیں درحقیقت وہ نہ صرف امت مسلمہ کے لیے پیغامِ وسعت ورحمت ہیں بلکہ ان کی اجتہادی بصیرت کو مہمیز لگانے کا مؤثر ذریعہ بھی۔امام شعرانی اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے اسالیبِ تطبیق نہ صرف قابل عمل ہیں بلکہ لمحہ موجود میں جبکہ دنیا سکڑ کر گلوبل ویلج کی شکل اختیار کرچکی ہے اس میں ان ہر دو رجالِ کار کی تطبیقی مساعی سے استفادہ کرتے ہوئے مناکحات، معاملات اور اخلاقیات میں بھی بہتری کی جانب پیش رفت ممکن بنائی جاسکتی ہے اور وطن عزیز میں فکری انتہاپسندی، تنگ نظری، اور دہشت گردی کا جو عفریت سر اُٹھا رہا ہے بلاشبہ اس سے نمٹنے کے لیے امام شعرانی اور شاہ ولی اللہ کی تطبیقی فکر مشعلِ راہ بن سکتی ہے۔

حوالہ جات حواشی

١ المیزان الکبریٰ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸م، ۱/۹۵

٢ ایضاً، ۱/۱۸-۱۹

٣ (۱) الشافعی، محمد بن ادریس، "المسند" بیروت، دار الکتب العلمیۃ، کتاب اختلاف الحدیث، ۱/۱۵۷
(۲) ابوداؤد، السنن، کتاب الصیام، باب اختیار الفطر۔

٤ المیزان الکبریٰ، ۱/۲۰

٥ ایضاً، ۱/۲۳، ۲۴

٦ ایضاً

٧ ایضاً، ۱/۳۵

٨ ایضاً، ۱/۱۰۴

٩ ایضاً، ۱/۱۲۹

١٠ ایضاً، ۱/۱۴۳

١١ ایضاً، ۱/۲۶

١٢ ایضاً

١٣ ایضاً، ۱/۲۱۱

١٤ المیزان الکبریٰ، ۱/۲۴۲

١٥ ایضاً، ۱/۱۹۷

١٦ ایضاً، ۱/۲۱۱

١٧ ایضاً، ۱/ ۱۴۰

١٨ ایضاً، ۱/ ۲۱۱

١٩ فیوض الحرمین، دہلی: مطبع احمدی (س ن) (تینتسواں مشاہدہ)، ص ۸۰

٢٠ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مشمولہ "انفاس العارفین"، دہلی، مطبع احمدی، (س ن) ص ۲۰۳، ۲۰۴

٢١ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، (س ن) ۱/ ۴۶۲

٢٢ التفہیمات الالٰہیۃ، مدینۃ برقی پریس بجنور، دابھیل: مجلس علمی (۱۹۳۶) ۲/ ۲۰۲

٢٣ ایضاً ۲/ ۲۰۲

٢٤ المسوی شرح المؤطا، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۲ء، ص ۹۷

٢٥ ایضاً

٢٦ الانعام، ٦: ۷۷

٢٧ مصفی شرح المؤطاء، کراچی: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، (س ن) ۱/ ۳

٢٨ مصفی شرح المؤطا ۱ ۶۱

٢٩ حدیث یہ ہے کہ حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن حاطب راوی ہیں کہ انھوں نے ایک قافلہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ عمرہ کیا اس قافلہ میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے حضرت عمر نے پانی کے بعض چشموں کے پاس رات گذاری آپ محتلم ہو گئے صبح ہونے والی تھی لیکن قافلہ میں سے کسی کے پاس پانی نہ تھا آپ سواری پر سوار ہو کر پانی پر پہنچے اور احتلام سے جو کچھ دیکھا تھا اُس کو دھونے لگے یہاں تک اُجالا ہو گیا حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا آپ نے صبح کر دی حالانکہ ہمارے پاس کپڑے موجود تھے پس اپنے کپڑوں کو دھونا چھوڑیے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: واعجباً لك يا عمرو بن العاص لئن كنت تجدثياباً أو كلّ الناس يجدثياباً والله لو فعلتها لكانت سنة بل أغسل ما رأيت وأنضح مالم أر (مصفی شرح المؤطاء، ۱/ ۵۰) "اے عمرو بن العاص آپ پر تعجب ہے اگر آپ کے پاس کپڑے ہیں یا تمام لوگوں کے پاس کپڑے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر میں ایسا کرتا تو سنت ہوتی لیکن میں نے جو (احتلام کا اثر) دیکھا اُسے دھو رہا ہوں اور جو نظر نہیں آیا اُس پر پانی چھڑک رہا ہوں۔"

٣٠ مصفی شرح المؤطاء، ۱/ ۵۰

٣١ ایضاً، ۱/ ۵۱

٣٢ ایضاً، ۱/ ۲۲۴